## رسائل و مسائل

# مغربی نیشنلزم اور فرنگی لباس

(۲)

یہی ہے وہ یورپ کا نیشنلزم جس کے نشہ میں سرشار ہو کر کوئی پکارتا ہے "جرمنی سب سے اوپر (Deutschlandüber alles)۔ کوئی نعرہ بلند کرتا ہے "امریکہ خدا کا اپنا ملک ہے"۔ کوئی اعلان کرتا ہے "اٹلی ہی مذہب ہے"۔ کسی کی زبان سے دنیا کو یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ "حکومت کرنا برطانیہ کا حق ہے"۔ اور ہر قوم پرست اس مذہبی عقیدہ پر ایمان لاتا ہے کہ "میرا ملک! خواہ حق پر ہو یا ناحق پر"۔ یہ قوم پرستی کا جنون آج دنیا میں انسانیت کے لیے سب سے بڑی لعنت ہے۔ انسانی تہذیب کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ یہ انسان کو اپنی قوم کے سوا ہر دوسری قوم کے لیے درندہ بنا دیتا ہے۔

اس نیشنلزم کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ آدمی اپنی قوم سے محبت رکھتا ہے اور اس کو آزاد، خوشحال اور برسر ترقی دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ ایک شریف جذبہ ہوتا۔ لیکن درحقیقت محبت سے زیادہ عداوت، نفرت اور انتقام کے جذبات اس کو جنم دینے اور پرورش کرتے ہیں۔ اس کا مادۂ حیات دراصل وہ آگ ہے جو قومیت کے مجروح جذبات اور کچلے ہوئے قومی حوصلوں سے دل میں بھڑک اٹھتی ہے۔ اور یہ آگ ـــ یہ حمیت جاہلیہ قومی محبت کے شریفانہ جذبہ کو بھی حد سے بڑھا کر ایک ناپاک چیز بنا دیتی ہے۔ بظاہر اس کا آغاز اُن بے انصافیوں کی تلافی کرنے کی

غرض سے ہوتا ہے جو کسی قوم کے ساتھ کسی دوسری قوم یا قوموں نے، واقعی یا خیالی طور پر، کی ہوں لیکن چونکہ کوئی اخلاقی ہدایت، کوئی روحانی تعلیم، کوئی الٰہی شریعت اس کی رہنمائی کرنے والی اور اس کو ضابطہ میں رکھنے والی نہیں ہوتی اسلیے یہ اپنی حد سے گذر کر قیصریت ( Imperialism )، معاشی قوم پرستی ( Economic Nationalism )، نسلی منافرت، جنگ اور بین الاقوامی بدامنی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ زمانۂ حال کا ایک مصنف فرانسس کوکر ( Francis W. Coker ) لکھتا ہے :-

"بعض قوم پرست اہل قلم دعویٰ کرتے ہیں کہ آزادانہ زندگی بسر کرنے کا حق دنیا کی صرف ترقی یافتہ قوموں کو ہے — ان قوموں کو جو ایسا اعلیٰ درجہ کا تہذیبی اور روحانی سرمایہ رکھتی ہیں جو اس کا مستحق ہے کہ دنیا میں باقی رکھا جائے اور پھیلایا جائے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ ایک اعلیٰ درجہ کی مہذب قوم کا حق اور فریضہ صرف یہی نہیں ہے کہ وہ اپنی آزادی کی حفاظت کرے اور اپنے اندرونی معاملات کو دوسروں کی مداخلت کے بغیر سرانجام دے بلکہ اس کا حق اور فرض یہ بھی ہے کہ اپنے دائرۂ اثر کو ان قوموں پر پھیلائے جو نسبتہً پسماندہ ہیں، خواہ اسکے لیے قوت ہی کیوں نہ استعمال کرنی پڑے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک اونچے درجہ کی قوم اپنا ایک عالمگیر منصب رکھتی ہے، اسے اپنی قابلیتوں کو صرف اپنی ہی سرزمین میں مدفون کر دینے یا خود غرضی کے ساتھ صرف اپنی ہی ترقی کے لیے استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں — یہی نظریہ اور یہی استدلال تھا جسے عموماً انیسویں صدی کے آخری دور میں ملک گیری کی تائید کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اسی حجت کو پیش کر کے افریقہ اور بحر الکاہل کی "نیم مہذب" قوموں کو یورپ اور امریکہ کی سلطنتوں کا تابع فرمان بنایا گیا تھا ....."

آگے چل کر وہ لکھتا ہے :-

"یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک بڑی قوم صرف یہی حق نہیں رکھتی کہ براہ راست جو حملہ اس پر کیا جائے اسکی مدافعت کرے، بلکہ یہ بھی اس کا حق ہے کہ ہر اُس چیز کی مزاحمت کرے جس سے اس کے ایسے مفادات پر زد پڑتی ہو جو اسکی خود مختارانہ زندگی اور خوشحالی کے لیے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اسکی زندگی کے لیے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ بس اپنی سرحدوں کی حفاظت کرلے، اور اپنے مادّی وسائل پر خود قابو یافتہ رہے، اور اپنی عزت کو پامال نہ ہونے دے۔ نہیں، اُسے اگر زندہ رہنا ہے تو اس سے زیادہ بھی کچھ کرنا پڑیگا۔ اسکو بڑھنا چاہیے، پھیلنا چاہیے، اپنی فوجی طاقت بڑھانی چاہیے، اپنا قومی دبدبہ قائم کرنا چاہیے، ورنہ وہ رفتہ رفتہ گرتی چلی جائیگی اور بالآخر قوموں کی مسابقت میں اس کا وجود محو ہو کر رہ جائیگا۔ جو قومیں اپنے مفاد کی حفاظت کرتے اور اپنے سیاسی و معاشی نفوذ و اثر کا دائرہ بڑھانے میں زیادہ کامیاب ہوتی ہیں وہی زندہ رہنے کی زیادہ حق دار ہیں۔ جنگ قومی توسیع کا فطری ذریعہ ہے، اور جنگ میں فتح یاب ہونا قوم کے اصلح ہونے کی دلیل ہے۔ والٹر بیج ہاٹ کے بقول وہ جنگ ہی ہے جو قوموں کو بناتی ہے۔"

اسکے بعد وہ لکھتا ہے:

"(ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کو بھی ان خیالات کی تائید میں غلط طور پر استعمال کیا گیا ہے)۔ ارنسٹ ہیکل (Ernst Haeckel) جو جرمنی میں ڈارونیت کا پہلا اور سب سے زیادہ بااثر پیغمبر گذرا ہے اور جس نے اپنے علم الحیات (Biology) کے نظریات کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ فلسفہ اور اجتماعیات میں استعمال کیا ہے، خود غرضی و خود پرستی کو عالمگیر قانونِ حیات قرار دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ قانون انسانی سوسائیٹی کے اندر ایک طرح کی نسلی مردم خوری کی صورت میں جاری ہوتا ہے۔ اسکی رائے میں زمین اُن تمام نسلی گروہوں کے لیے کافی سامانِ زندگی نہیں رکھتی جو اُس کی آغوش میں جنم لیتے ہیں۔ لہٰذا کمزور گروہ فنا ہو جاتے ہیں، نہ صرف اس وجہ

سے کہ زمین کے محدود وسائل زندگی سے فائدہ اٹھانے کے لیے جو عام تنازع برپا ہوتا ہے اس میں وہ دوسرے گروہوں کا کامیاب مقابلہ نہیں کر سکتے، بلکہ اس وجہ سے بھی کہ زیادہ طاقت ور گروہوں کے فاتحانہ اقدامات کی مدافعت کا کس بل اُن میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح کارل پیرسن ( Karl Pearson ) بین الاقوامی کشمکش کو "نوع انسانی کی فطری تاریخ کا ایک شعبہ قرار دیتا ہے۔ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ زندگی کے علمی تصور Scientific view of life کی رو سے انسانی تہذیب و تمدن کا ارتقاء دراصل اس نزاع و جدال کی وجہ سے ہوتا ہے جو صرف افراد ہی کے درمیان نہیں بلکہ قوموں کے درمیان بھی دائماً برپا رہتی ہے۔ جب ایک اعلیٰ درجہ کی قوم اپنی کمزور نسلوں کو مٹانے اور صرف طاقتور نسلیں پیدا کرنے کا انتظام کر کے اندرونی حیثیت سے اپنی صلاحیت بڑھا لیتی ہے، تب وہ دوسری قوموں سے مقابلہ کر کے بیرونی حیثیت سے اپنی صلاحیت کو ترقی دینا شروع کرتی ہے۔ اس نزاع میں کمزور (غیر صالح) قومیں کچلی جاتی ہیں۔ طاقت ور (صالح) قومیں باقی رہتی ہیں۔ اور اس طرح مجموعی حیثیت سے پوری نوع انسانی کا قدم ترقی کی طرف بڑھتا ہے۔ ایک قوم دوسری عالی مقام قوموں کے ساتھ اپنی برابری کا ثبوت اسی طرح دے سکتی ہے کہ وہ ان سے تجارتی راستوں اور خام پیداوار کے وسائل اور سامان غذا کے ذخائر کے لیے پیہم مجاہدہ کرتی رہے۔ فروتر درجہ کی قوموں (کمزور قوموں) سے واسطہ پڑنے کی صورت میں اگر وہ ان کے ساتھ مساوات کا برتاؤ کرتی اور ان سے گھلتی ملتی ہے تو گویا خود ہی اپنے دعوائے بالاتری سے دست بردار ہو جاتی ہے۔ اور اگر وہ انہیں زمین سے نکال کر خود قبضہ کر لیتی ہے، یا انہیں زمین میں باقی رکھ کر اپنے فائدہ کے لیے استعمال کرتی ہے تو اپنی بالاتری ثابت و قائم کر دیتی ہے۔"[1]

ایک دوسرا مصنف جوزف لیٹن ( Joseph A. Leighton ) لکھتا ہے:-

[1] *Recent Political Thought*, New York, 1934, Pp. 443-48.

"پندرہویں صدی سے دنیا کی تاریخ زیادہ تر قومی ریاستوں کے درمیان معاشی رقابتوں کی داستان ہے۔ معاشی قوم پرستی روز بروز قوموں کے درمیان تصادم کا سبب بنتی چلی گئی ہے۔ پہلے تجارت کے میدان میں مزاحمت کا سلسلہ چلتا ہے، پھر جنگ ہوتی ہے۔ امریکہ، افریقہ، سات سمندروں کے جزائر اور ایشیا کے ایک بڑے حصہ پر تسلط، نوآبادیوں کا قیام اور ان ممالک کے معاشی وسائل سے انتفاع، یہ سب کچھ اسی داستانِ قزاقی کے مختلف ابواب ہیں۔ اگرچہ یہی سب ذرا چھوٹے پیمانہ پر اس وقت بھی ہوا تھا جب زوالِ روما کے بعد وحشی قومیں تاخت و تاراج کرتی ہوئی پھیل گئی تھیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ رومن امپائر کے باقیات سے تو مذہبی اخلاقی اور تہذیبی بنیادوں پر ایک بین الاقوامی نظام تعمیر ہو گیا تھا، لیکن دنیائے جدید میں یہ نہ ہو سکا۔"[1]

دوسری جگہ یہی مصنف لکھتا ہے:

"جب ایک ایسی قوم جو تہذیبی وحدت رکھتی ہو، سیاسی حیثیت سے خود مختار، اور معاشی حیثیت سے متحد الاغراض ہوتی ہے، اور اس تہذیبی، سیاسی، معاشی قومیت میں اپنی عظمت اور برتری کے احساسات اُبھر آتے ہیں، تب معاشی قوم پرستی اپنی شدید تر صورت میں رونما ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ کیونکہ دنیا کی مختلف قوموں کے درمیان مسابقت و مزاحمت کا جو سسٹم اس وقت قائم ہے اس کا لازمی نتیجہ یہی قوم پرستی ہے۔ اور یہ قوم پرستی بہت جلدی معاشی امپیریلزم میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ قومیں تجارتی فوائد کے لیے ایک دوسرے کے خلاف جد و جہد کرتی ہیں اور بیرونی ممالک کی منڈیوں اور پسماندہ ممالک کی معاشی دولت پر قبضہ کرنے کے لیے ان کے درمیان کشمکش ہوتی ہے ....."

"سیاسی اور معاشی نیشنلزم کی گتھی (جس کو سلجھانے کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوئی) یہ ہے

[1] *Social Philosophies in Conflict*, New York, 1937, P. 439.

کہ ایک طرف تو قومی ریاست کا وجود ایک قوم کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے، اور اسکی محض معاشی خوشحالی ہی نہیں بلکہ اسکی تہذیبی ترقی، اسکی تعلیم، اسکے سائنس، اسکے فنون، غرض اسکی ہر چیز کے نشو و نما کا انحصار قومی ریاست کے پھلنے پھولنے ہی پر ہے۔ لیکن دوسری طرف موجودہ مسابقت کے ماحول میں خود بخود معاشی نیشنلزم پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر قوم دوسری قوموں کے نقصان پر پھلنے پھولنے کی کوشش کرتی ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوموں کے درمیان رقابت، شبہات، خوف اور نفرت کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔ معیشت کے میدان میں بین الاقوامی مسابقت سے کھلے میدان میں فوجی تصادم تک سیدھا راستہ جاتا ہے اور یہ بہت قریب کا راستہ ہے[1]"

میں نے مغربی نیشنلزم کو اور اس کے انداز فکر اور طریق کار کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کے بجائے خود اہل مغرب کے الفاظ میں نقل کرنا زیادہ پسند کیا تاکہ اسکی پوری تصویر خود گھر والوں کے مُوقلم سے کھنچی ہوئی آپ کے سامنے آجائے۔ اوپر کے اقتباسات اس امر کی بیّن شہادت پیش کرتے ہیں کہ یورپ میں جن تخیلات اور جن اصولوں پر نیشنلزم کا نشو و نما ہوا ہے وہ انسانیت کی عین ضد ہیں۔ انہوں نے انسان کو حیوانیت بلکہ درندگی کے مقام تک گرا دیا ہے۔ وہ خدا کی زمین کو فساد، ظلم، اور خونریزی سے بھرنے والے، اور انسانی تہذیب کے پرامن نشو و ارتقاء کو روکنے والے اصول ہیں۔ ابتدا سے خدا کے نبی جن پاک مقاصد کے لیے سعی کرتے رہے ہیں یہ اصول ان سب پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ الٰہی شریعتیں جن اغراض کے لیے دنیا میں آئی ہیں، اور آسمانی کتابیں جن اخلاقی و روحانی تعلیمات کو لے کر نازل ہوئی ہیں، یہ شیطانی اصول ان کے مدمقابل، ان کے مزاحم اور معاند واقع ہوئے ہیں۔ یہ انسان کو تنگ دل، تنگ نظر[2] اور متعصب بناتے ہیں۔ یہ قوموں اور نسلوں

[1] حوالۂ مذکور صفحہ ۴-۵۔ [2] قوم پرستانہ تنگ نظری کی انتہا یہ ہے کہ جاپان میں ہندوستان کے آم کا داخلہ بند ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵ پر ملاحظہ ہو)

کو ایک دوسرے کا دشمن بنا کر حق اور انصاف اور انسانیت کی طرف سے اندھا کر دیتے ہیں۔ یہ مادی طاقت اور حیوانی زور کو اخلاقی حق کا قائم مقام قرار دے کر شرائع الٰہیہ کی عین بنیاد پر ضرب لگاتی ہیں۔

الٰہی شریعتوں کا مقصد ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ انسانوں کے درمیان اخلاقی اور روحانی رشتے قائم کر کے انہیں وسیع پیمانے پر ایک دوسرے کا معاون بنایا جائے، مگر نیشنلزم نسلی اور وطنی امتیاز کی قینچی لے کر ان رشتوں کو کاٹ دیتا ہے اور قومی منافرت پیدا کر کے انسانوں کو ایک دوسرے کا معاون بنانے کے بجائے مزاحم اور معاند بنا دیتا ہے[۱]۔

الٰہی شریعتیں چاہتی ہیں کہ انسان اور انسان کے درمیان آزادانہ ربط کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کیے جائیں کیونکہ انہی پر انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی کا انحصار ہے، مگر نیشنلزم ان روابط کی راہ میں ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا کرتا ہے حتیٰ کہ ایک قوم کے حلقۂ اثر میں دوسری قوم والوں کے لیے سانس لینا تک مشکل کر دیتا ہے۔

الٰہی شریعتوں کا منشا یہ ہے کہ ہر فرد، ہر قوم اور ہر نسل کو اپنی طبعی خصوصیات اور پیدائشی قابلیتوں کے نشوونما کا پورا موقع ملے تاکہ وہ مجموعی حیثیت سے انسانیت کی ترقی میں اپنا حصہ ادا کر سکے۔ مگر نیشنلزم ہر قوم اور ہر نسل میں یہ داعیہ پیدا کرتا ہے کہ وہ طاقت حاصل کر کے دوسری قوموں اور نسلوں کو ادنیٰ

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴ - گویا ایک نعمت جو اللہ نے زمین پر پیدا کی ہے، ایک قوم کے لوگ اپنے اوپر اسکو صرف اس لیے حرام کر لیتے ہیں کہ وہ دوسری قوم کے ملک میں کیوں پیدا ہوئی۔

[۱] ابھی پچھلے ہی سال نیشنلزم کا یہ کرشمہ ساری دنیا نے دیکھا کہ برما کے ہولناک فسادات میں (جنکا محرک برمی نیشنلزم کا جذبہ تھا) برمی بودھوں نے عام ہندوستانیوں کی طرح ہندوستانی بودھوں کو بھی نہایت بے دردی کے ساتھ قتل و غارت کیا۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ نیشنلزم کی مقراض نے اس روحانی و اخلاقی رشتہ کو قطع کر کے رکھ دیا جسے بودھ مت نے ایک ہندوستانی اور ایک برمی کے درمیان قائم کیا تھا۔ یہ نیشنلزم کا فطری خاصہ ہے۔ اس نے مسیحی قوموں کے درمیان بھی رشتۂ اخوت کو اسی طرح کاٹا تھا، اور اب مسلمان قوموں کے درمیان بھی کاٹ رہا ہے، چنانچہ شام کی سرحد پر ترکوں اور عربوں کے درمیان جو صورت حال اس وقت رونما ہے وہ اسی نیشنلزم کا نتیجہ ہے۔

اور ذلیل اور بے قدر و قیمت قرار دے، اور انہیں غلام بنا کر انکی پیدائشی قابلیتوں کو بڑھنے اور کام کرنے کا موقع ہی نہ دے، بلکہ ان سے زندگی کا حق ہی سلب کر کے چھوڑے۔

الٰہی شریعتوں کا اساسی اصول یہ ہے کہ طاقت کے بجائے اخلاق پر انسانی حقوق کی بنیاد قائم ہو، حتی کہ ایک طاقتور شخص یا گروہ، کمزور شخص یا گروہ کے حق کو بھی ادا کرے جبکہ قانونِ اخلاق اسکی تائید میں ہو۔ لیکن نیشنلزم اسکے مقابلہ میں یہ اصول قائم کرتا ہے کہ طاقت ہی حق ہے اور کمزور کا کوئی حق نہیں اس لیے کہ وہ اسے حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

شرائع الٰہیہ جس طرح اخلاقی حدود کے اندر نفس پروری کی مخالف نہیں ہیں اسی طرح وہ قوم پروری کی بھی مخالف نہیں ہیں۔ درحقیقت وہ اسکی تائید کرتی ہیں، کیونکہ ایک ایک قوم کے اپنی اپنی جگہ ترقی کرنے ہی پر مجموعی حیثیت سے انسانیت کی ترقی کا مدار ہے۔ لیکن آسمانی شریعتیں ایسی قوم پروری چاہتی ہیں جو انسانیت عامّہ ( Humanity at large ) کی طرف ہمدردی، معاونت اور خیر خواہی لیے ہوئے بڑھے اور وہ خدمت انجام دے جو سمندر کے لیے زمین کے دریا انجام دیتے ہیں۔ برعکس اسکے نیشنلزم انسان کے اندر یہ ذہنیت پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی تمام قوتیں اور قابلیتیں صرف اپنی قوم کی بڑائی کے لیے مخصوص کرے اور انسانیت عامّہ کا نہ صرف یہ مددگار نہ ہو بلکہ اپنی قوم کے مفاد پر انسانیت کے عمومی مفاد کی قربانی چڑھا دے۔ انفرادی زندگی میں جو حیثیت "خود غرضی" کی ہے، اجتماعی زندگی میں وہی حیثیت "قوم پرستی" کی ہے۔ ایک قوم پرست فطرۃً تنگ دل ہوتا ہے۔ وہ دنیا کی ساری خوبیاں صرف اپنی قوم یا اپنی نسل ہی میں دیکھتا ہے۔ دوسری قوموں یا نسلوں میں اسے کوئی چیز ایسی قابل قدر نظر نہیں آتی جو زندگی اور بقا کی مستحق ہو۔ اس ذہنیت کا مکمل نمونہ ہم کو جرمنی کے نیشنل سوشلزم میں نظر آتا ہے۔ ہٹلر کی زبان میں نیشنل سوشلسٹ کی تعریف یہ ہے کہ:

"ہر وہ شخص جو قومی نصب العین کو اس حد تک اپنانے کے لیے تیار ہو کہ اسکے نزدیک اپنی قوم

کی فلاح سے بالاتر کوئی مقصب العین نہ ہو، اور جس نے ہمارے قومی ترانے "جرمنی سب سے اوپر" کے معنی و مقصود کو اچھی طرح سمجھ لیا ہو، یعنی اس وسیع دنیا میں جرمن قوم اور جرمنی سے بڑھ کر کوئی چیز اسکی نگاہ میں عزیز اور محترم نہ ہو، ایسا شخص نیشنل سوشلسٹ ہے[۱]"

اپنی کتاب "میری جدوجہد" میں ہٹلر لکھتا ہے:

"اس زمین میں جو کچھ قابل قدر ہے ـــ سائنس، آرٹ، فنی کمالات اور ایجادات ـــ وہ سب کا سب چند گنی چنی قوموں کی تخلیقی قابلیتوں کا نتیجہ ہے اور یہ قومیں اصل میں ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی ہیں ..... اگر ہم نوع انسانی کو تین قسموں میں تقسیم کریں ـــ کلچر کے بنانے والے۔ اسکی حفاظت کرنے والے۔ اس کو غارت کرنے والے ـــ تو صرف آریہ نسل ہی کا شمار پہلی قسم میں کیا جا سکے گا[۲]"

اسی نسلی تفاخر کی بنیاد پر جرمنی میں غیر آریہ لوگوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہے، اور اسی بنیاد پر جرمنی کی جہانگیری کا نظریہ قائم ہے۔ ایک نیشنل سوشلسٹ کے نزدیک دنیا میں جرمن قوم کا مشن یہ ہے کہ وہ "ادنیٰ درجہ" کی قوموں کو غلام بنا کر "تہذیب" پھیلانے میں آلہ کے طور پر استعمال کرے۔ اور یہ محض جرمنی ہی کی خصوصیت نہیں ہے۔ جمہوریت پسند امریکہ میں بھی رنگ کا امتیاز اسی بنیاد پر ہے ـــ سفید فام امریکن سیاہ فام حبشی کو انسان سمجھنے کے لیے کسی طرح تیار نہیں ـــ اور یہی مسلک یورپ کی ہر قوم کا ہے خواہ وہ برطانیہ ہو یا فرانس یا اٹلی یا ھالینڈ۔

پھر اس قوم پرستی کی ایک لازمی خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسان کو مطلب پرست بناتی ہے۔ شرائع الٰہیہ تو دنیا میں اس لیے آئی ہیں کہ آدمی کو اصول پرست بنائیں اور اس کے طرز عمل کو ایسے مستقل اصولوں

[۱] *History of National Socialism*, by Konrad Heiden. P. 85.

[۲] *My Struggle*, Hurst and Blacket, London, Pp 120-21.

کا پابند بنا دیں جو اغراض اور خواہشات کے ساتھ بدلنے والے نہ ہوں۔ لیکن قوم پرستی اسکے برعکس آدمی کو بے اصولا بنا دیتی ہے۔ قوم پرست کے لیے دنیا میں کوئی اصول اسکے سوا نہیں ہے کہ وہ اپنی قوم کا فائدہ چاہتا ہے۔ اگر اخلاق کے اصول، مذہب کے احکام اور تہذیب کے نظریات اس مقصد میں اسکے مددگار ہوں تو وہ ان پر ایمان لانے کا خوشی سے دعویٰ کرتا رہیگا۔ اور اگر وہ اس کے راستے میں حائل ہوں تو وہ ان سب کو بالائے طاق رکھ کر کچھ دوسرے اصول و نظریات اختیار کر لیگا۔ مسولینی کی سیرت میں ہم کو ایک قوم پرست کے کیرکٹر کا مکمل نمونہ ملتا ہے۔ جنگ عظیم سے پہلے وہ اشتراکی تھا۔ جنگ عظیم میں محض اس لیے اشتراکیوں سے الگ ہو گیا کہ اٹلی کے شریک جنگ ہونے میں اس کو قومی فائدہ نظر آتا تھا۔ پھر جب غنائم جنگ میں اٹلی کو مطلوبہ فوائد حاصل نہ ہوئے تو اس نے جدید فاشستی تحریک کا علم بلند کیا۔ اس نئی تحریک میں بھی وہ برابر اپنے اصول بدلتا چلا گیا۔ ۱۹۱۹ء میں وہ لبرل سوشلسٹ تھا۔ ۱۹۲۰ء میں انارکسٹ بنا۔ ۱۹۲۱ء میں چند مہینہ تک سوشلسٹ اور جمہوری طبقوں کا مخالف رہا، چند مہینہ انکے ساتھ اتحاد کی کوشش کرتا رہا، اور بالآخر ان سے کٹ کر اس نے ایک نئی پالیسی وضع کر لی۔ یہ تلون، یہ بے اصولی اور یہ ابن الوقتی، مسولینی کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ نیشنلزم کی فطرت کا طبعی خاصہ ہے۔ انفرادی زندگی میں جو کچھ ایک خود غرض آدمی کرتا ہے وہی قومی زندگی میں قوم پرست کرتا ہے۔ کسی اصول اور نظریہ پر مستقل ایمان رکھنا اسکے لیے ناممکن ہے۔

مگر نیشنلزم اور الٰہی شریعتوں میں سب سے زیادہ کھلا ہوا تصادم ایک اور صورت سے ہوتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ خدا کی طرف سے جو نبی بھی آئیگا، وہ بہر حال کسی ایک قوم اور کسی ایک سرزمین ہی میں پیدا ہوگا اسی طرح جو کتاب اس نبی کو دی جائیگی وہ بھی لامحالہ اسی ملک کی زبان میں ہوگی جس میں وہ مبعوث ہوا ہے پھر اس نبوت کے مشن سے تعلق رکھنے والے جن مقامات کو عزت و احترام اور تقدیس کی حیثیت حاصل ہوگی وہ بھی زیادہ تر اسی ملک میں واقع ہونگے۔ مگر ان سب محدودیتوں کے باوجود وہ صداقت اور تعلیم

ہدایت جو ایک نبی خدا کی طرف سے لے کر آتا ہے، کسی قوم اور ملک کے لیے محدود نہیں ہوتی بلکہ تمام انسانوں کے لیے عام ہوتی ہے۔ پوری نوع انسانی کو اس نبی پر اور اسکی لائی ہوئی صداقت پر ایمان لانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ خواہ اس نبی کا مشن محدود ہو، جیسا کہ ہود اور صالح علیہما السلام اور بہت سے پیغمبروں کا تھا، یا اس کا مشن عام ہو، جیسا کہ حضرت ابراہیم اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہما کا تھا، بہرصورت ہر نبی پر ایمان لانے اور اس کا احترام کرنے کے لیے تمام انسان مامور ہیں۔ اور جبکہ کسی نبی کا مشن عالمگیر ہو تو یہ قدرتی بات ہے کہ اسکی لائی ہوئی کتاب کو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہوگی۔ اسکی زبان کا تہذیبی اثر بین الاقوامی ہوگا اسکے مقدس مقامات ایک ملک میں واقع ہونے کے باوجود بین الاقوامی مرکزیت حاصل کرینگے۔ اور نہ صرف وہ نبی، بلکہ اس کے حواری اور اسکے مشن کی اشاعت میں نمایاں حصہ لینے والے ابتدائی لوگ بھی، ایک قوم سے تعلق رکھنے کے باوجود تمام قوموں کے ہیرو قرار پائینگے ـــــ یہ سب کچھ ایک نیشنلسٹ کے مذاق، اسکی افتاد طبع، اسکے جذبات اور اسکے نظریات کے خلاف ہے۔ نیشنلسٹ کی غیرت قومی اس کو کسی طرح گوارا نہیں کرسکتی کہ وہ ایسے لوگوں کو ہیرو بنائے جو اس کی اپنی قوم کے نہیں ہیں، ایسے مقامات کی مرکزیت اور تقدیس و احترام قبول کرے جو اسکے اپنے وطن کے نہیں ہیں، ایسی زبان کا تہذیبی اثر قبول کرے جو اسکی اپنی زبان نہیں ہے، ان روایات سے روحانی تحریک ( Inspiration ) حاصل کرے جو باہر سے آئی ہوں۔ وہ ان سب چیزوں کو نہ صرف اجنبی ( Foreign ) قرار دے گا، بلکہ انہیں اُس نفرت اور ناگواری کی نگاہ سے دیکھے گا جس سے بیرونی حملہ آوروں کی ہر چیز دیکھی جاتی ہے، اور ان تمام خارجی اثرات کو اپنی قوم کی زندگی سے نکال دینے کی کوشش کریگا۔ اس کے جذبۂ قومیت کا فطری اقتضاء یہ ہے کہ اپنے جذبات تقدیس و احترام کو اپنے ہی وطن کی سرزمین سے وابستہ کرے۔ اپنے ہی وطن کے دریاؤں اور پہاڑوں کی حمد میں گیت گائے۔ اپنی ہی قوم کی پرانی تاریخی روایات کو (انہی روایات کو جنہیں یہ باہر سے آنے والا مذہب "عہد جاہلیت" سے تعبیر کرتا ہے) زندہ کرے اور ان پر

فخر کرے۔ اپنے حال کا رشتہ اپنے ہی ماضی سے جوڑے، اور اپنی قومی ثقافت کا تسلسل اپنے اسلاف ہی کی ثقافت کے ساتھ قائم کرے۔ اپنی ہی قوم کے تاریخی یا افسانوی بزرگوں کو اپنا ہیرو بنائے اور انہی کے خیالی یا واقعی کارناموں سے روحانی تحریک حاصل کرے۔ غرض یہ بات نیشنلزم کی عین طبیعت میں شامل ہے کہ وہ ہر اس چیز سے، جو باہر کی ہو، منہ موڑ کر اُن چیزوں کی طرف رخ کرے جو اسکے اپنے گھر کی ہوں۔ یہ راستہ جس آخری منزل پر پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ باہر سے آئے ہوئے مذہب کو بھی کلّی طور پر چھوڑ دیا جائے اور ان مذہبی روایات کو زندہ کیا جائے جو خود اپنی قوم کے عہد جاہلیت سے کسی نیشنلسٹ کو پہنچی ہوں۔ ممکن ہے کہ بہت سے نیشنلسٹ اس آخری منزل تک نہ پہنچے ہوں، اور ابھی بیچ ہی کی کسی منزل میں ہوں، مگر جس راستہ پر وہ گامزن ہیں وہ جاتا اِسی طرف ہے۔

آج جرمنی میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ نیشنلزم کے اس فطری خاصّہ کی مکمل توضیح و تبیین ہے۔ نازیوں میں سے ایک گروہ تو علانیہ حضرت عیسٰی سے بیزاری کا اظہار کر رہا ہے اسلیے کہ وہ یہودی نسل تھے، اور کسی شخص کا یہودی ہونا اس بات کے لیے کافی وجہ ہے کہ ایک آریہ نسل کا پرستار اسکی تمام تہذیبی، اخلاقی اور روحانی قدر و قیمت سے انکار کر دے، چنانچہ اس گروہ کے لوگ بے تکلف کہتے ہیں کہ "مسیح ایک پرو تاری یہودی تھا، مارکس کا پیش رو، اسی لیے تو اس نے کہا کہ جو مسکین ہیں وہی زمین کے وارث ہونگے"۔ اس کے برعکس جن نازیوں کے دل میں ابھی تک مسیح کے لیے جگہ باقی ہے وہ ان کو نارڈک نسل کا ثابت کرتے ہیں۔ گویا ایک جرمن قوم پرست یا تو مسیح کو مانے گا نہیں، کیونکہ وہ یہودی تھے، یا اگر مانے گا تو اسرائیلی مسیح کو نہیں، بلکہ نارڈک نسل کے مسیح کو مانے گا۔ بہرصورت اس کا مذہب اسکی نسل پرستی کے تابع ہے کسی غیر آریہ شخص کو روحانی و اخلاقی تہذیب کا پیشوا ماننے کے لیے کوئی جرمن قوم پرست تیار نہیں[1]

[1] ٹھیک یہی ذہنیت عرب کے ان یہودیوں کی تھی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے سے صرف اسلیے انکار کر دیا تھا کہ آپ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں۔

حد یہ ہے کہ جرمن قوم پرستوں کے لیے وہ خدا بھی قابلِ قبول نہیں جس کا تصور باہر سے درآمد ہوا ہے۔ بعض نازی حلقوں میں کوشش ہو رہی ہے کہ ان دیوتاؤں کو پھر زندہ کیا جائے جنہیں پرانے ٹیوٹن قبائل پوجا کرتے تھے۔ چنانچہ تاریخ قدیم کی چھان بین کر کے پوری دیومالا تیار کر لی گئی ہے اور ووتان (Wotan) نامی دیوتا کو، جسے عہد جاہلیت کے ٹیوٹن لوگ "طوفانوں کا خدا" کہتے تھے، مہادیو (Chief Diety) قرار دیا گیا ہے۔ یہ مذہبی تحریک تو ابھی نئی نئی شروع ہوئی ہے۔ لیکن سرکاری طور پر نازی نوجوانوں کو آج کل جس عقیدہ کی تعلیم دی جا رہی ہے اس میں بھی خدا کو رب العالمین کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض رب الالمانیین کی حیثیت سے خدا تسلیم کیا گیا ہے۔ اس عقیدہ کے الفاظ یہ ہیں:

"ہم خدا پر اس حیثیت سے ایمان رکھتے ہیں کہ وہ قوت وحیات کا ازلی مظہر ہے، زمین میں اور کائنات میں ... خدا کا خیال جرمن انسان کے لیے فطری ہے۔ خدا اور ازلیت کے متعلق ہمارا تصور کسی دوسرے مذہب یا عقیدہ کے تصورات سے کسی قسم کی مماثلت نہیں رکھتا۔ ہم جرمن قوم اور جرمنی کی ازلیت پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ قوت وحیات کی ازلیت پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم زندگی کے نیشنل سوشلسٹ تصور پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم اپنے قومی مقاصد کی حقانیت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم اپنے قائد اڈولف ہٹلر پر ایمان رکھتے ہیں"۔

یعنی خدا اُس قوت وحیات کا نام ہے جو جرمن قوم میں حلول کر گئی ہے۔ جرمن قوم اس خدا کا ارضی ظہور ہے۔ ہٹلر اس کا رسول ہے، اور "قومی مقاصد" اس رسول کا لایا ہوا مذہب ہے ــــ ایک قوم پرست کی ذہنیت سے اگر کوئی مذہبی تصور مناسبت رکھتا ہے تو وہ بس یہی ہے۔

یورپین اصول پر جب نیشنلزم کو ترقی دی جائیگی تو وہ بالآخر اسی مقام پر پہنچ کر دم لیگی۔ جو لوگ ابھی بیچ کی منزلوں میں ہیں اور اس حد تک نہیں پہنچے ہیں، انکے نہ پہنچنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ابھی تک ان کے جذبات قومیت کو ویسی سخت ٹھیس نہیں لگی ہے جیسی جرمنی کو گذشتہ جنگِ عظیم میں لگی

تھی - لیکن یقین رکھیے کہ جب وہ نیشنلزم کے راستہ پر گامزن ہوئے ہیں تو ان کی آخری منزلِ مقصود بہر حال وہی کمال درجہ کی جاہلی عصبیت ہے، جو خدا اور مذہب تک کو قومی بنائے بغیر مطمئن نہیں ہوتی - یہ نیشنلزم کی فطرت کا تقاضا ہے - نیشنلزم اختیار کرکے اس کے فطری تقاضے سے کون بچ سکتا ہے؟ غور کیجیے آخر وہ کیا چیز ہے جو قوم پرستانہ طرزِ فکر اختیار کرتے ہی ایک مصری نیشنلسٹ کا رخ خود بخود عہدِ فراعنہ کی طرف پھیر دیتی ہے؟ جو ایرانی کو شاہنامے کی افسانوی شخصیتوں کا گرویدہ بنا دیتی ہے؟ جو ہندوستانی کو "پراچین سمے" کی طرف کھینچ لے جاتی ہے اور گنگ وجمن کی تقدیس کے نزلنے اسکی زبان پر لاتی ہے؟ جو ترک کو مجبور کرتی ہے کہ اپنی زبان، اپنے ادب اور اپنی تمدنی زندگی کے ایک ایک شعبے سے عربی اثرات کو خارج کرے اور ہر معاملہ میں عہدِ جاہلیت کی ترکی روایات کی طرف رجوع کرے؟ اس کی نفسیاتی توجیہ بجز اسکے آپ اور کیا کر سکتے ہیں کہ نیشنلزم جس دل و دماغ میں پیدا ہوتا ہے اسکی تمام دلچسپیاں قومیت کے دائرے میں محدود ہو جاتی ہیں اور اس دائرے سے باہر کی ہر چیز سے اس کا رخ پھر جاتا ہے -

میرے سامنے اس وقت انقرہ کے ڈائرکٹر جنرل آف پریس کا ایک مضمون رکھا ہے جس کا عنوان ہے "ترکی عورت تاریخ میں" اس کے ابتدائی فقرے حسب ذیل ہیں:

"قبل اسکے کہ ہم اس بلند اور معزز مرتبے سے بحث کریں جو ہماری نوخیز جمہوریت نے ترکی عورت کو دینا پسند کیا ہے، ہمیں ایک نظر یہ دیکھ لینا چاہیے کہ تاریخ کے مسلسل ادوار میں ترکی عورت کی زندگی کیسی رہی ہے - اس مختصر تبصرے سے یہ بات واضح ہو جائیگی کہ آج ترکی مردوں اور عورتوں میں جو مساوات پائی جاتی ہے وہ ہماری قومی تاریخ میں نئی چیز نہیں ہے - اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ جب تک ترکی خاندان اور ترکی نظامِ تمدن بیرونی اثرات سے آزاد تھا، ترکی عورت ہمیشہ ہر تمدنی تحریک میں حصہ لیتی تھی - ہمارے مشہور ماہر اجتماعیات ضیاء گوک الپ نے اس مضمون کی

خوب تحقیق کی ہے، اور اسکی تحقیقات سے اُن بہت سے حقوق کا پتہ چلا ہے جو ترکی عورت کو پرانی ترکی تہذیب (؟ ترکی کے عہد جاہلیت) میں حاصل تھے۔ ان شہادتوں سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ قدیم ترکی عورت اور آج کی ترکی عورت کے درمیان تمدنی اور سیاسی اٹھان Emancipation کے اعتبار سے گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔"

ان فقروں کو دیکھیے۔ قوم پرست ترک کس طرح اپنی تاریخ کے اُس دور سے منہ موڑتا ہے جس میں اسکی قوم "بیرونی اثر" میں آگئی تھی، اور کس طرح اپنے حال کے لیے اپنے اُس ماضی کو "اسوۂ حسنہ" بناتا ہے جبکہ اسکی قوم اس بیرونی اثر سے آزاد تھی۔ یوں یہ نیشنلزم آدمی کے دماغ کو اسلام سے جاہلیت کی طرف پھیر دیتا ہے۔ گوک الپ ضیا، جو دراصل تمدنی اور تہذیبی اعتبار سے ترکی جدید کا بانی ہے، اور جس کے بنائے ہوئے راستہ پر آج ترکی قوم چل رہی ہے، خالدہ ادیب خانم کے الفاظ ہیں:

"ایک نئی ترکی بنانا چاہتا تھا جو عثمانی ترکوں اور انکے تورانی اسلاف کے درمیان کی خلیج کو پر کر سکے۔ .... وہ اس مواد کی بنا پر تمدنی اصلاح کرنا چاہتا تھا جو اس نے ترکوں کے زمانۂ قبل اسلام کی سیاسی و تمدنی تنظیمات کے متعلق فراہم کیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ عربوں کا قائم کیا ہوا اسلام ہمارے مناسب حال نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اپنے "عہد جاہلیت" کی طرف رجعت نہ کریں تو پھر ہمیں ایک مذہبی اصلاح کی ضرورت ہے جو ہماری طبائع سے مناسبت رکھتی ہو۔"

یہ الفاظ کسی مغربی پروپیگنڈسٹ کے نہیں ہیں جو ترکوں کو بدنام کرنا چاہتا ہو، بلکہ خود ایک قوم پرست ترکن کے ہیں۔ ان میں آپ صاف طور پر یہ منظر دیکھ سکتے ہیں کہ مسلمان کے دل و دماغ میں جب ایک راستہ سے قوم پرستی گھسنی شروع ہوتی ہے تو کس طرح دوسرے راستے سے اسلام نکلنے لگتا ہے۔ اور یہ چیز کچھ بیچارے ترکوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جس مسلمان نے بھی نیشنلزم کے شیطان سے بیعت کی ہے اسلام کے فرشتوں سے اس کا رخصتی مصافحہ ہو گیا ہے۔ ابھی حال میں ہندوستان کے ایک "مسلمان" شاعر نے

ترانۂ وطن کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے، جس میں وہ اپنی بھارت ماتا کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

جس کا پانی ہے امرت وہ مخزن ہے تو جس کے دانے ہیں بجلی وہ خرمن ہے تو
جسکے کنکر ہیں ہیرے وہ معدن ہے تو جس سے جنت ہے دنیا وہ گلشن ہے تو
دیویوں دیوتاؤں کا مسکن ہے تو
تجھ کو سجدوں سے کعبہ بنا دینگے ہم

آخری بیت کو پڑھ کر اس امر میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ نیشنلزم اور اسلام، دو بالکل الگ اور قطعی متضاد ذہنیتوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا محالات سے ہے۔ درحقیقت نیشنلزم خود ایک مذہب ہے جو شرائع الٰہیہ کے جواب میں ایک حریف، مدمقابل کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ نہ صرف ذہنی حیثیت سے شرائع الٰہیہ کا مخالف ہے، بلکہ عملی حیثیت سے بھی انسان کی زندگی کے اُن تمام پہلوؤں پر ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے جنہیں شرائع الٰہیہ اپنی گرفت میں لینا چاہتی ہیں[1]۔ اب ایک مرد عاقل کے لیے صرف یہی ایک صورت باقی ہے کہ دل و دماغ اور جسم و جان کا مطالبہ کرنے والے ان دونوں مدعیوں میں سے کسی ایک کو پسند کرکے اپنے آپ کو اس کے حوالہ کردے، اور جب ایک کی آغوش میں چلا جائے تو دوسرے کا نام تک نہ لے۔

[1] پروفیسر لیٹن کہتا ہے "نیشنلزم نے مذہب اور عقل و ضمیر دونوں کی جگہ چھین لی ہے۔ وہ انسان کی زندگی کے تمام شعبوں پر اسی طرح حاوی ہونا چاہتا ہے جس طرح کہ مذہب۔ آج جو شخص اُس خدا کے سامنے، جسکا نام قومی اسٹیٹ ہے، جھکنے اور اپنے ضمیر کو قربان کرکے اسکی عبادت بجا لانے سے انکار کرتا ہے وہ شخص آزادی اور حقوق شہریت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔" ملاحظہ ہو:

*Social Philosophies in Conflict* p. 450.

اس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانہ میں آزادی اور ترقی اور وقار و شرف حاصل کرنے کا ایک ہی مجرب نسخہ دنیا کی قوموں کو معلوم ہے، اور وہ یہی نیشنلزم کا نسخہ ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر وہ قوم جو ابھرنا چاہتی ہے، اس نسخہ کی طرف دوڑنے لگتی ہے۔ مگر قبل اس کے کہ دوسروں کو دوڑتے دیکھ کر ہم بھی اسی کی طرف دوڑ جائیں، ہمیں سوچنا چاہیے کہ دنیا کی یہ حالت کیوں ہے۔ دنیا اس حالت میں صرف اس لیے مبتلا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی خواہشات کو ضابطہ میں لانے والی، حوصلوں اور تمناؤں کو جائز حدود میں رکھنے والی، سعی و عمل کی قوتوں کو سیدھا راستہ دکھانے والی، اور آزادی، ترقی، عزت اور وقار کے حصول کا صحیح طریقہ بتانے والی کوئی تعلیم حکمت و اخلاق دنیا کے پاس نہیں ہے۔ اسی چیز نے قوموں کو بھٹکا دیا ہے۔ یہی محرومی اور یہی فقدان ہے جس نے قوموں کو جاہلیت اور ظلم و عدوان کی طرف دھکیل دیا ہے۔ خود ہمارے اپنے ملک کے ہندو اور سکھ اور پارسی وغیرہ بھی جس وجہ سے مغرب کے قوم پرستانہ خیالات قبول کر رہے ہیں، وہ یہی ہے کہ یہ بے چارے اس ہدایت و رہنمائی سے محروم ہیں۔ اس مصیبت کا علاج اور اس گمراہی کی اصلاح اگر کہیں ہے تو وہ صرف شرائع الٰہیہ میں ہے، اور دنیا میں صرف مسلمان ہی وہ جماعت ہے جو شرائع الٰہیہ کی نمائندگی کرتی ہے، لہٰذا یہ مسلمان کا کام تھا کہ وہ آگے بڑھ کر اُس عصبیت جاہلیہ کی جڑیں کاٹتا جو اکاس بیل کی طرح دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے، اور دنیا کی ہر قوم کو بتاتا کہ تمہارے لیے نہ صرف آزادی، ترقی اور وقار و شرف کا بلکہ اس کے ساتھ سلامتی، امن اور حقیقی خوشحالی کا راستہ بھی وہ ہے جو خدا کی طرف سے اس کے پیغمبر لائے ہیں، نہ کہ وہ جو شیطان کی طرف سے فتنہ و شر کے امام تمہیں دکھا رہے ہیں۔ لیکن یہ دور حاضر کی سب سے زیادہ دردناک ٹریجڈی ہے کہ دنیا کو تباہی اور گمراہی سے بچانے والی وہ ایک ہی جماعت مسلمان جس کو اللہ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کا مشن قائم کرنے اور پھیلانے پر مامور کیا تھا، اپنے

فرض منصبی کو فراموش کر بیٹھی ہے، اور اب بجائے اس کے کہ وہ ہدایت کی شمع لیکر تاریکیوں میں بھٹکنے والی دنیا کو روشنی دکھلائے، وہ خود ان بھٹکنے والوں ہی کے پیچھے چلنے پر آمادہ ہوگئی ہے۔ افسوس، اس بیمارستان میں ایک ہی ڈاکٹر تھا، اور وہ بھی بیماروں میں شامل ہوا جاتا ہے

مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے۔

(باقی)

---


# مسئلہ قومیت

تالیف سید ابوالاعلیٰ مودودی

یہ کتاب مولف کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جن میں اسلام کے اصولِ قومیت کی تشریح و توضیح کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمان نسلی یا وطنی قومیت کے اصول قبول نہیں کر سکتے۔ نہ غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کوئی قومیت بنا سکتے ہیں۔

قیمت ۸ھر محصول ڈاک ۱ر

دفتر ترجمان القرآن۔ مبارک پارک۔ لاہور سے طلب کیجیے